صنعتوں، پیشوں سے متعلق بعض معاملات اور مسائل کی شرعی حیثیت۔

مفتی وزیر احمد جامعہ ضیاء مدینہ لیہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

دھاگا، بوتام اور بکرم کس پر ہونگے؟۔

مرور زمانہ سے مروجہ معاملات ایک جیسے نہیں رہے، ازمنہ قدیم میں خیاط کا راس المال تین چیزیں شمار کی گئیں۔۱۔سوئی۔۲۔دھاگا۔۳۔مقراض۔ہنوز سوئی کا نعم البدل سلائی مشین ہے، دھاگا کے ساتھ بیسوں اوراشیاء! بھی واجبی ہوگئی ہیں ا۔بکرم۔۲۔چیپی۔۳۔کاج۔۴۔بٹن۔۵۔بازو، گلہ اور پائنچہ پر کشیدہ کاری۔

قدیم وجدید ادوار میں مذکورات بذمہ درزی تھیں، اب بھی اسی پر تعامل ہے اور فقہی اعتبار سے اس کے معارض بھی کوئی چیز نہیں۔ ہاں! مالک جامہ کبھی از خود پسند کے ''بٹن'' خرید کر درزی کو دے دیتا ہے لیکن اس میں کلام نہیں، کیونکہ کہ معاملات میں مسائل فقہیہ کا مدار عرف پر ہے۔مگر ''کف لنک''، جنکی قیمت بازار میں یکساں نہیں اگر لاکھوں روپے بھی کہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا، بعضوں سے متعلق تو ''زری کف لنک'' کی بھی شنوائی ہے۔بہر حال قطع نظر اس سے ''بکسوا'' کی ایسی ذریات درزی کے ذمہ نہیں اور نہ ہی اس پر تعامل ہے بلکہ پارچہ مالک کی جان کا یہ ''بار'' ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

...اَنَّ الْخَیْط عَلٰی رَبِّ الثَّوْبِ فِیْ عُرْفِ صَاحِب الظُّھِیْرِیَّۃِ وَاَمَّاعَلٰی عُرْفِ مِنْ قَبْلِہٖ وَھُوَعُرْفُنَاالْاٰن مِنْ اَنَّہٗ عَلٰی الْخَیَّاط...لِاَنَّہٗ رَاسُ مَالِہٖ حِیْنَئِذٍ اِبْرَۃٌ وَمِقْرَاضٌ فَیَعْمَلُ بِالْاَجْرِ.

''صاحب ظہیریہ کے عرف کے مطابق دھاگا کپڑوں کے مالک کے ذمہ ہے اوران سے ماقبل والوں کا عرف وہی تھا جو،اب ہمارا ہے،یعنی دھاگا درزی کے ذمہ ہے جیسا کہ رنگ، رنگ ساز کے ذمہ ہے۔۔کیونکہ درزی کا رأس المال اس وقت سوئی اور مقراض ہیں جن کی مدد سے وہ مزدوری کرے گا''۔
(فتاویٰ شامی:۵/۱۲۔۵۶،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَالُوْا فِی الْخَیَاطِ" اَنَّ السُّلُوْکَ عَلَیْہِ ،لِاَنَّ عَادَتَھُمْ جَرَتْ بِذٰلِکَ".

ائمہ کرام نے یہ کہا" دھاگا درزی پر ہے۔کیونکہ لوگوں کی عادت اسی پر ہے"۔

(بدائع الصنائع:۴/۱،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اَمَّاالَّذِیْ یَخِیْطُ بِاَجْرٍفَرَاسُ مَالِہِ اَلْخَیْطُ وَالْمِخْیَطُ وَالْمِقْرَاضُ فَلَایَتَحَقَّقُ الاِفْلَاسُ فِیْہِ".

"جودرزی مزدوری پرسلائی کرتا ہواسکا رأس المال تین اشیاء ہیں۔۱۔دھاگا۔۲۔سوئی۔۳۔قینچی۔ لہذا اس میں افلاس کا تحقق نہیں ہوسکتا"۔(ہدایہ:۳/۳۱۸،مکتبہ رحمانیہ لاہور)

"موصوف کے طرز کلام سے یہ سمجھنا سہل ہے کہ"سوئی،دھاگا اور مقراض"درزی کی جب پونجی ہیں تو یہ اشیاء گاہک کے ذمہ نہیں ہونگی،البتہ عصر حاضر میں افلاس کا مسئلہ عہد قدیم کے افلاس کے بالکل برعکس ہوگیا ہے۔چونکہ بعہد ماقبل یہ تینوں چیزیں انتہائی ارزانی تھیں توانکی عدم دستیابی پر خیاط کامفلس ہونا غیر معتبر تھا،مگر ہنوز عام شہروں میں بھی نادار درزی کام نہیں کرسکتا۔کیونکہ رأس المال (یعنی اشیاء ثلاثہ) میں سے فقط سوئی کا بدل! اب سلائی مشین ہے،جس کے وجود سے کام نہیں چلتا! بلکہ بجلی بھی شرط ہے۔چہ جائیکہ جہاں مشین چلانی ہے اس دکان کے کرایہ کے علاوہ،اس کے حصول کے لئے پہلے بھاری"پگڑی "مالک کو دینی پڑے گی،اور جبتک بے چارہ درزی شیش محل کی طرح دکان کی تزیین وآرائش نہیں کرے گا اتنے تک گاہک کے نام کی کوئی چیز نہیں دیکھے گا"۔

کپڑوں کی کٹائی کے بعد مالک اگر کپڑے اٹھالے؟۔

درزی کپڑا کاٹنے کے بعد کبھی سلائی نہیں کرسکتا،مالک کٹے ہوئے کپڑے اٹھا کر دوسرے ٹیلر سے سلوالیتا ہے،مگر پہلے درزی کو کٹائی کے پیسے نہیں دیتا اور نہ ہی دوسرے درزی سے کٹائی کے پیسے کم کرواتا ہے،بس اسے سلا ہوا سوٹ چاہیے،غریب مزدور کے حقوق کی پرواہ نہیں۔مثلاً درزی نے سوٹ کی کٹائی تو کرلی مگر وقت پر سلائی نہیں کی اور مالک نے تاخیر کی وجہ سے غصہ میں آکر کٹے ہوئے کپڑے اٹھا کر اور درزی کو دے دیئے۔یا ارش کے موقع پر کپڑوں سے بھری دکان کی کٹائی کرنے کے بعد درزی بیمار یا فوت ہوگیا۔تو اب واضح ہے ان احوال میں کٹے ہوئے کپڑے اٹھالیے جاتے ہیں مگر کٹائی دینے کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

حالانکہ عیدین اور دیگر تقریبات کے ایام پر درزیوں کے ہاں کپڑوں کا انبار ہوتا ہے کہ فقط کٹائی ہزاروں روپے بنتی ہے،درزیوں کی دکان میں جتنے کاریگر ہوتے ہیں سب سے زیادہ تنخواہ اور اجرت

کٹائی کرنے والے کی ہوتی ہے، اس کے بعد سینے والے کی۔ چونکہ جامہ قطع کرنے کے لوازمات پارچہ دوزی سے بہت زیادہ ہیں، لہذا مریض درزی یا فوت ہونے والے ٹیلر کی اور اسکی بیوہ، یتیم بچوں کی اور خدمت نہیں کرسکتے تو کم از کم اس بے چارے نے جو کام کرلیا تھا اسکی مزدوری تو اسے اور اسکی بیوی، بچوں کو دینی چاہیے۔

کپڑوں کی کٹائی کی اجرت سے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں۔

۱۔ فقط کپڑوں کی کٹائی کی مزدوری نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وَفِي الْخُلَاصَةِ رَجُلٌ دَفَعَ إِلَى خَيَّاطٍ ثَوْبًا لِيَخِيطَهُ فَقَطَعَهُ وَمَاتَ لَا يَجِبُ شَيْءٌ مِنَ الْأُجْرَةِ لِأَنَّ الْأَجْرَ فِي الْعَادَةِ لِلْخِيَاطَةِ لَا لِلْقَطْعِ وَهُوَ الْأَصَحُّ".

"خلاصہ میں ہے کسی نے سلائی کے لئے جامہ دوز کو کپڑے دیے، مگر وہ کپڑے کاٹنے کے بعد فوت ہوگیا تو (مالک پارچہ پر) اجرت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ عادۃً اجرت سینے کی ہوتی ہے، نہ کہ کاٹنے کی اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

(بحر الرائق: ۷/۵۱۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۲۔ مفتی بہ قول کے مطابق کپڑوں کی کٹائی کی اجرت ہے۔

جن فقہاء نے قطع وبرید کی مزدوری نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے اپنے دور کے مطابق درست فتوی صادر فرمایا۔ کیونکہ ان کے عہد میں کپڑوں کی سلائی کے اتنے لوازمات اور ڈیزائن نہیں تھے جتنے عصر حاضر میں ہیں۔ کیونکہ عہد قدیم میں جامہ پرستی کا وجود ہی نہیں تھا اور اس وقت لباس کی غرض فقط ستر پوشی تھی، پیائش بالشت سے لی جاتی یا لکڑی کے گز سے، ڈیزائن میں اتنا تنوع نہیں تھا کہ خیاط کو کٹائی اور سلائی میں وقت خرچ کرنا پڑتا۔ بلکہ ہر آدمی پارچہ باف کو اپنی ضرورت اور سائز کا اس طرح آرڈر دیتا کہ کپڑا اضافی بچتا نہ درزی کو جامہ کی چاروں اطراف مقراض چلانے کی زحمت کرنی پڑتی۔ قمیص وشلوار کی سجاوٹ کیسوں سے نہیں تھی کہ رانوں، سرین کو کھ اور سینہ پر جیبیں ہی جیبیں ہوتیں، بلکہ شلوار کی جیبیں انکے گوشہ خیال میں ہی نہیں تھیں، دراہم ودنانیر ہمیانی میں محفوظ کیے جاتے یا ازار بند کے بل میں اور شلوار کی کٹائی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ قدیم زمانہ میں شلوار کا رواج کم تھا کیونکہ ان کے ہاں! شلوار کا بدل تہ بند تھا۔

رہا قمیص کی کٹائی کا مسئلہ! تو اسکی کٹائی میں بہت قلیل وقت خرچ ہوتا۔ کیونکہ اس کی جیبیں نہ کالر، سینہ پر کواڑی، گلے کا ہار، کف، انتہائی سادہ قسم کے بازو، آستین اور چولی دامن تھے اور اس کی سلائی اس قدر کم تھی، مکمل سوٹ کی مزدوری ایک "ادھنا" تھی اب اس "ٹکا" کو سوٹ کی کٹائی اور سلائی کے عمل پر تقسیم کریں تو اجرت نہ ہونے کے مساوی بنتی، اس لئے درزی سلائی طلب کرتا نہ جامہ پوش دیتا تو لامحالہ اس زمانہ

میں کٹائی کے عدم اجرت کا فتویٰ دیناصواب تھااور ہنوز صورت دگرگوں ہے سلائی کے عمل سے کٹائی کا کام دشوار ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''وَفِی فَتَاوٰی قَاضِیْخَانْ وَالظَّهِیْرَةِ ''قَطَعَ الْخَیَّاطُ الثَّوْبَ وَمَاتَ قَبْلَ الْخِیَاطَةِ لَهُ اَجْرُالْقَطْعِ'' هُوَالصحیح ...وعلیه الفتویٰ...بان الفتویٰ علیه''.

فتاویٰ قاضیخان اور ظہیریہ میں ہے''درزی کپڑوں کی کٹائی کے بعد اور سلائی سے قبل اگر فوت ہوجائے تو قول صحیح کے مطابق وہ کٹائی کا حقدار ہوگا(مزدوری اس کے ورثا کو دی جائے گی) اور اسی پر فتویٰ ہے''۔(فتاویٰ شامی ؛۵/۱۱،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''رَجُلٌ دَفَعَ اِلیٰ خَیَّاطٍ ثَوْبًالِّیَخِیْطَهُ فَقَطَعَهُ الْخَیَّاطُ وَمَاتَ قَبْلَ الْخِیَاطَةِقَالَ اَبُوْ سُلَیْمَانَ الْجُوْزَجَانِیُّ لَهُ اَجْرُالْقَطْعِ وَهُوَالصَّحِیْحُ کَذَافِی الظَّهِیْرِیَةِ قَالَ الْقَاضِی فَخْرُالدِّیْنِ وَعَلَیْهِ الْفَتْویٰ هٰکَذَافِی الْکُبْریٰ''

''ایک آدمی نے ٹیلر کوسلائی کے لئے کپڑے دیے،مگر وہ سوٹ کی کٹائی کے بعداور سینے سے پہلے فوت ہوگیا،تو ابوسلیمان جوزانی کہتے ہیں اس کے لئے کٹائی کی مزدوری ہوگی،اور یہی صواب ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔قاضی فخرالدین کہتے ہیں اسی پر فتویٰ ہے اور کبریٰ میں بھی ایسے ہے''۔(فتاویٰ ہندیہ؛۴/۴۶۸،داراحیاء التراث،بیروت لبنان)

درزی کے ہاں کپڑوں کواگرنقصان پہنچے؟۔

درزی کے پاس سلائی سے قبل ، اور بعد میں،نیز کٹائی اورسلائی کے دوران بھی داخلی اورخارجی مختلف النوع وجوہات کی بناپر

کپڑوں کونقصان پہنچ سکتاہے ۔موجبات تلف واتلاف کے اختلاف سے ضمان وعدم ضمان کاحکم یکساں نہیں لہذا آسانی اسی میں ہے کہ اولاً تالیفی عمل کی انواع ذکر کی جائیں بعدازاں ان کاحکم۔

۱۔ درزی نے لی گئی پیمائش کے مطابق سوٹ تیار نہ کیا؟۔

۲۔ کٹائی تو درست کی مگر استری کرنے کے دوران کپڑوں کا کچھ حصہ جل گیا؟۔

۳۔ مالک نے جس ڈیزائن پر کپڑے تیار کرنے کا آرڈر دیا،درزی نے اس کے برعکس ڈیزائن کا سوٹ تیار کردیا؟۔

۴۔ درزی نے اپنے نومولود اور اناڑی شاگردوں کو کپڑے سپرد کردیے،انہوں نے نہ تجربہ کاری کی بنا پر کٹائی درست کی نہ سلائی۔

۵۔ ڈاکو"گن"،پر مکمل دکان خالی کر کے چلے گئے۔

۶۔ چوروں نے موقع پا کر ساری دکان کا صفایا کرلیا۔

۷۔ کسی وجہ سے دکان کو آگ لگی اور اس میں پڑے ہوئے کپڑے مکمل طور نذر آتش ہوگئے۔

مقدم الذکر چاروں صورتوں میں ! کسی ایک کے یا کل کے وقوع پر درزی پر تاوان ہوگا۔البتہ !پہلی صورت کے مطابق ضمان وعدم ضمان میں قدرے تفصیل ہے !درزی نے سوٹ کے عرض وطول میں اتنی کمی اور کوتاہی کی جو خلاف مقصود ہے۔مثلاً مذہبی پیشوا کے کپڑے فلمی ایکٹروں کے لباس کی طرز پر،یا اوباشوں کا لباس اشراف کے لباس کی وضع پر،کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ میں پہنی جانے والی یونیفارم آرڈر کے خلاف اس طرح بنادی کہ ایسی یونیفارم میں ادارہ ڈیوٹی کرنے سے روکتا ہے،بلاتخصیص کسی کے لباس میں انگشت سے بھی زاید کمی کردے،بازو،آستین اور شلوار اس قدر تنگ کردی کہ اعضاء ان میں داخل ہی نہیں ہوسکتے تو پھر درزی پر چٹی ہوگی،اور اگر معمولی کمی بیشی کی جو خلاف مقصود بھی نہیں تو وہ معاف ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ لِلْخَیَّاطِ اِقْطَعْ طُوْلَهُ وَعَرْضَهُ وَكُمَّهُ كَذَا فَجَاءَ نَاقِصًا اِنْ قَدَرَ اِصْبَعٍ وَنَحْوِهِ عَفْوٌ وَاِنْ اَكْثَرَ ضَمِنَهُ

مالک نے درزی سے کہا کہ اتنی لمبائی ،چوڑائی اور آستین کی اس پیمائش پر کپڑے کی کٹائی کر(اور سوٹ تیار کردے)مگر درزی نے اس پیمائش سے کمی کردی(اب اس کی دوصورتیں ہیں)درزی نے پیمائش سے ایک انگشت وغیرہ کی مقدار اگر سوٹ چھوٹا تیار کیا تو پھر معاف ہے۔ہاں اس سے زاید کوتاہ کردیا تو پھر(وہ کپڑے ضائع کرنے کی)چٹی دے گا۔

(درمختار مع فتاویٰ شامی،۵/۲۹،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

...اَیْ وَلَهُ الْاَجْرُ كَمَافِی الْبَزَّازِیَةِ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ وَلِعُسْرِ الْاِحْتِرَازِ عَنْهُ وَالْاَوْلٰی فَهُوَ عَفْوٌ...لِاَنَّهُ مِمَّا یُخِلُّ بِالْمَقْصُوْدِ فَیُعَدُّ اِتْلَافًا.

کیونکہ معمولی کمی کوتاہی سے بچنا دشوار ہے،لہذا ایسی غلطی کے باوجود درزی کو سلائی دی جائے گی اور اولویت بھی معاف کرنا ہے۔مزید لکھتے ہیں کہ خیاط کا لباس تیار کرنے میں جو بھی عمل(مالک جامہ کے)مقصود میں خلل انداز ہوا سے کپڑوں اور لباس کا ضائع کرنا سمجھا جائے گا۔(کپڑوں کے مالک کی دی جانی والی

پیمائش اور بتائے ہوئے ڈیزائن میں درزی نے اتنی گڑبڑ اگر کردی جس سے مالک کی غرض اور سوٹ تیار کرانے کا مقصد فوت ہوجائے تو درزی تاوان دے گا)۔

(فتاویٰ شامی، ۲۹/۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شاگردوں کے ہاتھوں سے ہونے والے نقصان کا تاوان بھی ان کا استاذ ادا کریگا ماسوائے اس کے کہ تصرف بے جا اور تعدی کی صورت میں وہ خود ادا کریں گے۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"فِعْلُ الْاَجِیْرِ فِی کُلِّ الصَّنَائِعِ یُضَافُ لِاُسْتَاذِہٖ فَمَا اَتْلَفَہٗ یَضْمَنُہٗ اُسْتَاذُہٗ"۔

"تمام پیشوں میں شاگردوں کا عمل ان کے استاد کا عمل سمجھا جائے گا۔لہذا جو نقصان شاگردوں سے ہوگا اسکا تاوان ان کا استاذ دے گا"۔

(درمختار مع شامی:۵/۵۲؛ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

اِذَا تَلِفَ الشَّیْئُ الْمَاجُوْرُ فِی الْحَالَاتِ السَّابِقَۃِ بِیَدِتِلْمِیْذِ(صانع)الْاَجِیْرِ،فَلَا ضَمَانَ عَلَیْہِ،وَاِنَّمَاالضَّمَانُ عَلٰی مُعَلِّمِہٖ ،لِاَنَّہٗ ھُوَالْمَسْئُوْلُ اِصَالَۃً،فَکَاَنَّہٗ فَعَلَ بِنَفْسِہٖ۔

"کاریگر کے شاگرد کے عمل سے شئی ماجور جب ضائع ہوجائے تو شاگرد پر ضمان نہیں، بلکہ تاوان استاذ پر ہے، کیونکہ اصل میں جوابدہ وہی ہے تو گویا کہ اس کے فعل سے (نقصان) ہوا"۔(الفقہ الاسلامی:۴/۵۶۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

"جب شاگرد کاریگر بن جائیں تو کبھی اجرت اور مزدوری پر استاذوں کے ہاں مستقلاً کام شروع کردیتے ہیں، ایسے شاگردوں سے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ ان کے عمل سے یا ان کے ہاں جو نقصان ہوگا اس کا تاوان وہ خود دیں گے، استاذ نہیں دے گا"۔

مؤخر الذکر تینوں صورتوں میں! درزی پر چٹی نہیں ہے، کیونکہ درزی اپنے قبضہ میں کپڑے لیکر سینے کی صورت میں اجیر مشترک ہوگا، اجیر مشترک کے عمل سے اگر نقصان نہ پہنچے اور بنفسہ حفاظت میں بھی وہ کوئی کسر باقی نہ چھوڑے، تو پھر نقصان کا تاوان اس پر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اَنَّ الْھَلَاکَ اِمَّا بِفِعْلِ الْاَجِیْرِاَوْلَاوَالْاَوَّلُ اِمَّابِالتَّعَدِّیْ اَوْلَا وَالثَّانِیْ اِمَّااَنْ یُمْکِنَ الْاِحْتِرَازُعَنْہُ اَوْلَا فَفِی الْاَوَّلِ بِقِسْمَیْہِ یَضْمَنُ اِتِّفَاقًا"

''اجیر (مشترک) کے عمل سے جو نقصان ہو اس میں اس کا تصرف بے جا ہو یا نہ بہر دو صورت نقصان کا تاوان ادا کرے گا اور یہ حکم تینوں آئمہ کرام کے مابین اتفاق کے ساتھ ہے۔ (فتاویٰ شامی، ۵/۶۴؛ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مَاتَلَفَ بِعَمَلِهِ...مَضْمُوْنٌ عَلَيْهِ''

''اجیر مشترک کے عمل سے جو نقصان ہو اس کا وہ ضامن ہوگا''۔

(ہدایہ؛۳/۳۱۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اِذَا ضَاعَتْ فِيْ يَدِ الْمُوْدَعِ بِغَيْرِ صُنْعِهِ لَايَضْمَنُ''

''جس کے پاس امانت تھی اگر اس کی تعدی کے بغیر ضائع ہوگئی تو اس پر تاوان نہیں ہوگا۔(بدائع الصنائع؛ ۵/۳۱۴، مکتبہ رشیدیہ لاہور)

البتہ درزی اپنی دکان کے بجائے کسی کے پاس سلائی کا کام یوں کرتا ہے کہ اسکی یومیہ یا ماہانہ تنخواہ ہے، خواہ کپڑے کم سیے یا زاید، بالکل کام نہ ہو اس کی تنخواہ جاری رہے۔ایسا کبھی تو کاروباری لوگ کرتے ہیں کہ دکان کے تمام تر واجبات انکے ذمہ ہوتے ہیں اور ایک یا چند درزیوں کو دکان میں تنخواہ پر بٹھا لیتے ہیں یا پھر شادی بیاہ، یا دیگر تقریبات کے مواقع پر لوگ ایک درزی کو گھر کے ایک مخصوص کمرہ میں چند دنوں کے لیے سلائی کے لیے یومیہ یا ماہانہ تنخواہ پر رکھ لیتے ہیں تا کہ گھر کے تمام چھوٹے بڑے افراد کو بار بار بازار میں پیائش دینے کے لیے نہ جانا پڑے۔درزی کو دکان میں یا گھر تنخواہ پر رکھنے کی صورت میں درزی ''اجیر خاص اور اجیر واحد'' کہلائے گا۔

اجیر خاص اور اجیر مشترک کے ضمان اور عدم ضمان کے مسائل ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرنے چاہیں۔ کیونکہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں بلا تعدی اگر نقصان ہوگا تو اسپر ضمان ہوگی۔مگر اجیر خاص پر ایسا نہیں ۔کیونکہ اسکے ہاتھ سے جو بھی نقصان ہوگا مطلقاً اسپر چٹی دینے کا حکم نہیں ہوگا۔بلکہ تصرف بے جا کی صورت میں جو نقصان ہوگا اسکا تاوان ادا کریگا تعدی کے بغیر جو اسکے ہاتھ وغیرہ سے نقصان ہوگا اسکی چٹی اس پر نہیں ہوگی۔

معروف محقق علامہ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

''فَالْاَجِيْرُ الْخَاصُ...عَلٰى اَنَّهُ لَايَكُوْنُ ضَامِنًا الْعَيْنَ اَلَّتِيْ تُسْلَمُ اِلَيْهِ لِلْعَمَلِ فِيْهَا لِاَنَّ يَدَهُ يَدُ اَمَانَةٍ...اِذَا اسْتَاجَرَ اِنْسَانٌ خَيَّاطاً اَوْحَدَّاداً مُدَّةَ يَوْمٍ اَوْشَهْرٍ لِيَعْمَلَ لَهُ وَحْدَهُ لَايَضْمَنُ الْعَيْنَ اَلَّتِيْ تَهْلَكُ فِيْ يَدِهِ مَالَمْ يَحْصُلْ مِنْهُ تَعَدٍّ اَوْتَقْصِيْرٌ فِيْ حِفْظِهِ،سَوَاُتْلِفَ الشَّيْءُ

فِیْ یَدِہٖ اَوْفِی اَثْنَاءِ عَمَلِہٖ"

''یعنی اجیرِ خاص کو جو چیز کام کے لئے دی جائے (نقصان کی صورت میں) اس پر تاوان نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے ہاں وہ چیز بطریق امانت ہوتی ہے۔۔۔جیسا کہ کوئی شخص درزی یا آہن گر کو یومیہ یا ماہوار تنخواہ پر جب اسلیے رکھے کہ وہ فقط اسی کا کام کرے، اب اس سے کوئی شئی ضائع ہوجائے تو ضمان نہیں۔ہاں! اگر اس میں اس کی جانب سے تعدی اور غلطی ہو تو پھر اس پر چٹی ہوگی۔اس چیز کے نقصان میں عموم ہے کہ خواہ وہ اس کے قبضہ میں یا اس کے اثناء عمل کے دوران نقصان ہو''۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ؛۴/۵۶۳،مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ لاہور)

اجیر مشترک اور اجیر واحد پر ضمان اور عدم ضمان میں تفاوت کیوں؟۔

''اجیر مشترک'' کام کی اجرت لیتا ہے اور ''اجیر خاص'' وقت کی۔یعنی اجیر مشترک کا ''کام'' بکتا ہے اور اجیر خاص کا ''وقت'' بکتا ہے، اس لیے اجیر مشترک کو کام نہ کرنے کی صورت میں مزدوری نہیں دی جاتی اور اجیر خاص کو مستاجر اگر کام نہ بتائے اور وہ حاضر رہے تب بھی تنخواہ کا حقدار ہوتا ہے

۔اجیر مشترک مختلف لوگوں سے ایک وقت میں متعدد کاموں کے آرڈر لے سکتا ہے، مگر اجیر خاص کے لیے ایسا کرنا حرام ہے۔چونکہ وہ مختص ٹائم کی ایک آدمی سے جب مزدوری لے گا تو اسوقت میں اور کسی کی مزدوری نہیں کرسکتا۔

اجیر مشترک جب ایک سے زاید لوگوں سے کام لے سکتا ہے تو امکان قوی ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے اور اس کے عمل سے مصنوعات وغیرہ کو نقصان پہنچے، نیز اشیاء کی حفاظت میں بھی غفلت برتنے کا اندیشہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ہاں ہر وقت اشیاء مصنوعہ اور ماجورہ کا رش لگا رہتا ہے، اس لیے لوگوں کے مال کی حفاظت کے لیے استحساناً نقصان کی بعض صورتوں میں اس پر ضمان کا حکم ہوگا۔

مگر اجیر واحد میں یہ امکانات نہیں ہوتے۔بلکہ وہ مستاجر کا قائم مقام ہوتا ہے، ماورائے تعدی اور تصرف بے جا کے کسی نقصان کی اس پر چٹی نہیں ہوگی۔

علامہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وَلَاضَمَانَ عَلَی الْاَجِیْرِ الْخَاصِّ الَّذِیْ فِیْمَاتَلِفَ فِی یَدِہٖ وَلَامَاتَلِفَ مِنْ عَمَلِہٖ اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِاَنَّ الْعَیْنَ اَمَانَۃٌ فِی یَدِہٖ لِاَنَّہٗ قَبَضَ بِاِذْنِہٖ وَھٰذَا ظَاھِرٌ عِنْدَہٗ وَکَذَاعِنْدَھُمَا لِاَنَّ تَضْمِیْنَ الْاَجِیْرِ الْمُشْتَرَکِ نَوْعُ اِسْتِحْسَانٍ عِنْدَھُمَالِصِیَانَۃِ اَمْوَالِ النَّاسِ وَاَجِیْرُ الْوَاحِدِ لَایَتَقَبَّلُ الْاَعْمَالَ فَیَکُوْنُ السَّلَامَۃُ غَالِباً فَیُوْخَذُ فِیْہِ بِالْقِیَاسِ وَاَمَّا الثَّانِی فَلِاَنَّ الْمَنَافِعَ مَتیٰ صَارَتْ مَمْلُوْکَۃً

لِلْمُسْتَاجِرِ فَاِذَا اَمَرَهُ بِالتَّصَرُّفِ فِی مِلْکِهِ صَحَّ وَیَصِیْرُ نَائِبًا مَنَابَهُ فَصَارَ فِعْلُهُ مَنْقُوْلًا اِلَیْهِ کَاَنَّهُ فَعَلَ بِنَفْسِهِ فَلِهٰذَا لَا یَضْمَنُهُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ"

اجیر خاص کے پاس یا اس کے عمل سے جو چیز تلف ہو جائے تو اس کی اس پر ضمان نہیں۔ کیونکہ مال عین اس کے قبضہ میں امانت ہے (اور امانت ہونے کی دلیل یہ ہے) کہ اس نے مستاجر کی اجازت سے قبضہ کیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی ظاہر ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی ایسا ہے۔ کیونکہ اجیر مشترک کو ضامن ٹھہرانا ان کے نزدیک ایک نوع استحسان ہے تاکہ لوگوں کے مال محفوظ رہیں۔ اور اجیر خاص (سوائے ایک مستاجر کے دوسرے مستاجروں) کے کام قبول نہیں کرتا تو اس کے ہاں سلامتی غالب ہے۔ لہذا فی حقہ قیاس لیا جائیگا، بہرحال (نقصان کی صورت) ثانی (یعنی اجیر واحد کے عمل سے نقصان کی صورت میں اس پر چٹی اس لئے نہیں ہوگی) کیونکہ منافع مستاجر کے جب مملوک ہوگئے، تو مستاجر نے اسکو (اجیر خاص کو) اپنی ملک میں تصرف کا حکم دیا تو یہ حکم صحیح ہوا اور وہ مستاجر کا قائم مقام ہوگیا تو اجیر خاص کا فعل مستاجر کی طرف منتقل ہوگا، گویا کہ اس نے بذات خود (کام) کیا ہے (اور مالک نے ہی نقصان کیا ہے) اسلئے وہ اجیر سے ضمان نہیں لے سکتا۔ (ہدایہ ۳/۳۱۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

نئے فیشن اور اسراف۔

ہم! کئی لحاظ سے ایک ہونے کے دعویدار ہیں! امت ایک، زبان ایک، قوم ایک، ملک ایک۔ مگر زیب تن کیا جانے والا لباس وضع کے اعتبار سے ایک نہیں۔ بلکہ ایک تن پر سجنے والے ہر ایک سوٹ کا ڈیزائن ایک نہیں، نہ ہی ہر ایک کے ڈیزائن کا پس منظر ایک ہے۔

زنانِ رقص کناں جہاں گوناں گانی معاصی اور جرائم کا ارتکاب کرتی ہیں وہاں جدید اور نت نئے فیشن بھی اختراع کر رہی ہیں۔ خیر! ان کا پیسہ تو اپنے مصرف میں خرچ ہو رہا ہے، مگر انکی معنوی اولاد اور مداح بھی انکی تقلید کے اشتیاق میں ایسا لباس غیر ساتر زیب تن کر کے فحاشی اور عریانی کے قعر مذلت میں واقع ہونے کے ساتھ اسراف وتبذیر کے مرتکب ہو رہے ہیں، کیونکہ جسقدر کپڑے سے انکا ایک سوٹ تیار ہوتا ہے اس سے زائد کپڑا ڈیزائن میں ضائع کیا جاتا ہے، یا پھر زیادہ کترن سے تو محفوظ رہتا ہے۔ لیکن ضرورت سے زاید استعمال میں لایا جاتا ہے مثلاً "پشواز، گھگرا اور غرارہ" کے خیمہ نما گھیر پر ایک سوٹ سے کئی گنا اضافی کپڑا خرچ کیا جاتا ہے۔

"ڈی جی خان" کے نواح میں رہنے والے ایک صاحب کے زیب تن کیے جانے والے لباس میں قدرے افراط محسوس کرنے پر سوال کیا تو اس نے جواب دے کر حیران کر دیا "یہ تو کچھ بھی نہیں میرے ایک

سوٹ کی شلوار پر اٹھارہ میٹر کپڑا صرف ہوا ہے۔اور وہاں کے نوجوان تقریبات کے مواقع پر ایسا لباس پہننا قابل فخر سمجھتے ہیں"۔

حالانکہ !اللہ تعالیٰ نے اسراف کی مذمت اور برائی بیان کی ہے۔

وَلَاتُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الانعام:۱۴۱)

اور بے جانہ خرچو بے شک بے جا خرچنے والے اسے پسند نہیں۔

حضرت عمر بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْهُ اِسْرَافٌ اَوْمَخِيْلَةٌ"

''کھاؤ، پیو صدقہ کرو اور پہنو (جبتک اس میں) فضول خرچی اور تکبر نہ ملے''۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث، ۳۶۰۵:دار المعرفۃ بیروت لبنان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاًيَتَوَضَّأُ فَقَالَ "لَاتُسْرِفْ لَاتُسْرِفْ".

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا''اسراف نہ کر اسراف نہ کر''۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث، ۴۲۴:دار المعرفۃ بیروت لبنان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا فرمایا!

لَاتُسْرِفْ، قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَفِى الْوُضُوْءِ اِسْرَافٌ قَالَ نَعَمْ وَفِى كُلِّ شَىْءٍ اِسْرَافٌ.

''اسراف نہ کر، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟فرمایا:ہاں اور ہر شیء میں اسراف کو دخل ہے''۔

(کنز العمال۔۹/۳۲۷)

زنان حیا باختہ کی طرف ثانی میں !اسیران یورپی تہذیب نے اپنے آپ کو تنگ لباس میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ ہر وقت کمر پر کسے ہوئے تنگ کے نیچے چولی اور فرنگی پاجامہ قابو رکھنے سے تنگ نہیں پڑتے۔

اے شہ سوار حسن زیادہ پکڑ نہ تنگ

ڈر ہے سمند ناز بشوخی الف نہ ہو۔

حالانکہ بطریق فطرت وعادت نشست و برخاست سے انکا حال تنگ رہتا ہے۔

فطرت بے ہوش ہوگئی ہے۔
آغوش میں شب کے سوگئی ہے۔

لیکن باوجود اس کے وہ کسا ہوا تنگ ڈھیلانہیں کرتے۔ عمر بھر بے دامن رہنا انکی اولیں ترجیح ہے، حالانکہ کتب تصوف اور کلام عشاق میں جا بجا دامن اور جھولی سے متعلق استعارات ملتے ہیں۔

چلا دامن ادھر سے اس طرف سے آستیں نکلی۔
بھر دو جھولی یا رسول اللہ میری۔

نیز محاورات میں لازم وملزوم کو"چولی دامن کا ساتھ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔لیکن بعض جامہ پوشوں کے تن پر چولی تو نظر آتی ہے مگر کچھ لینے کے لیے دامن نہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں"ایک بادشاہ نے کسی فقیر سے کہا"۔
"دامن بدارا نے دُرویش گفت دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم"۔

دامن اور جھولی لا (پھیلا تا کہ میں تجھے کچھ دوں) تو فقیر نے کہا"دامن کہاں سے لاؤں میرے تن پر تو کپڑا ہی نہیں"۔

"چونکہ فقیر مفلسی سے ننگا تھا اور اسکا یہ عذر قابل مسموع تھا، اسی لئے بادشاہ بھی اس پر ناراض نہ ہوا، مگر جس آدمی کے جسم پر لباس ہو اور کچھ لینے کے لئے دامن نہ ہو وہ کیا عذر پیش کریگا؟۔

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی۔ لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی۔
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں۔ کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ **"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"**
"جس قوم سے جو مشابہت اختیار کرے گا، وہ اسی سے ہوگا۔

(جاری ہے------)

نئی کتاب

فاکھۃ البستان (مجلدین)

تالیف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی دراسۃ وتحقیق مفتی محمد جان نعیمی
ناشر: دار النعیمی جامعہ مجددیہ نعیمیہ صاحبداد گوٹھ ملیر کراچی
برائے رابطہ: 021-340509074 0300-2593036